© rasailojaraid.com

حکومت کو دینی مدارس کے بجائے عصری نظام تعلیم کی فکر کرنی چاہیے

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

وطن عزیز مملکت خداداد پاکستان کیسی کیسی تمناؤں اور آرزوؤں کے جلو میں ظہور پذیر ہوا۔ کتنی کتنی قربانیاں اس کے لیے بندگان الہ نے پیش کیں۔ نہ مال و دولت کے اتلاف کا صحیح اندازہ ممکن ہے۔ نہ ان نفوس انسانی کا حساب کسی کے پاس ہے جو اس عظیم مقصد کے حصول میں کام آئے۔ نہ ہی ان عصمتوں اور آبروؤں کا شمار کوئی جانتا ہے جو اس ضمن میں پامال ہوئیں۔ کیسی کیسی مساجد، دینی درسگاہیں، مقدس یادگاریں اور قیمتی املاک چھوڑ کر قوم کے ایک بڑے حصے نے پاکستان کو اپنی منزل مقصود بنایا اور برصغیر میں بے شمار ایسے لوگ بھی تھے جو خوب جانتے تھے کہ پاکستان بن گیا تو ہم اس کی برکات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھائیں گے، جس خطہ زمین پر وہ قائم ہوگا، ہم وہاں نہیں جاسکیں گے لیکن پھر بھی انھوں نے پاکستان کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ آج ۵۴ برس گزرنے کے باوجود بھی وہ اپنی ان قربانیوں کا اپنے وطن میں صلہ پا رہے ہیں مگر پاکستان ابھی بھی ان کے دل کی دھڑکن بنا ہوا ہے۔ یہ اتنا بڑا جذبہ اور فریفتہ کر دینے والا ولولہ ہے کہ اگر اس کی کوئی معقول اور قابل فہم توجیہ کی جاسکتی ہے تو وہ صرف اسلامی اسپرٹ اور دینی لگاؤ سے کی جاسکتی ہے۔ یقیناً کچھ بوالہوس دوسری وجوہات بھی بیان کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں اور اس میں بھی شک کی ضرورت نہیں کہ کچھ لوگ دنیوی مفاد کو پیش نظر رکھ کر تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار دیکھنے کے خواہش مند رہے ہوں گے مگر ہماری گفتگو عامۃ المسلمین اور جمہور اہل اسلام کے بارے میں ہے جو اکثریت ہی نہیں غالب اکثریت رکھتے تھے اور جن کی شرکت سے پاکستان وجود میں آسکا ہے۔ ان کا مقصد اپنے دین کا فروغ، اسلامی معاشرت کی تشکیل اور اسلامی ثقافت و معیشت کا تحفظ اور اسلام کی ترقی کے علاوہ ہرگز دوسرا نہیں تھا۔ اس غالب اکثریت میں دنیاوی اغراض اور ذاتی مفادات کے نقیب نہ کسی اہمیت کے مالک تھے اور نہ وہ اپنی وجاہت اور اثر و رسوخ کی بنیاد پر پاکستان کے حصول میں کامیاب ہو سکتے تھے، یہی وجہ تھی کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے مشرق و مغرب میں تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کے لیے جو زریں خدمات انجام دیں ان کے اعتراف میں پاکستان کے پہلے گورنر جنرل نے چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے مغربی بازو میں علامہ شبیر احمد عثمانی سے اور مشرقی بازو میں علامہ ظفر احمد عثمانی سے پاکستان کا جھنڈا لہرانے کی درخواست کی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان جلیل القدر علماء نے دنیاوی مفادات و اغراض کے لیے تحریک پاکستان کی حمایت کی تھی اور ان کا واحد مقصد دینی اقدار کی سربلندی نہیں تھا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے نظریۂ پاکستان کی حمایت اور تائید دین و مذہب ہی کی خاطر کی تھی اور یہ علماء بھی تو حضرت حکیم الامتؒ کے متوسلین ہی میں سے تھے اور ان ہی کی تائید و حمایت نے تو ان کو تیز گام کیا تھا۔

مگر آج ۵۴ سال کے بعد جب پاکستان کی تاریخ پر نظر جاتی ہے تو سوائے مکر و نفاق اور دجل و فریب کے کچھ نظر نہیں آتا۔ کبھی بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ یہاں قرآن و سنت کا نظام نافذ کرنے کی کوشش کی گئی، نہ عدل و انصاف کی حکمرانی قائم ہوئی، نہ اسلامی علوم کی سرپرستی کی گئی اور نہ اسلام کو بالادستی عطا کی گئی بلکہ اس عرصے میں غیر اسلامی نظام تعلیم اور فرنگی معاشرت و ثقافت کے ذریعے چار نسلیں وہ تیار کی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو اسلام کے متعلق یا تو شک و شبہ کا شکار ہیں یا پھر کھلم کھلا بغاوت پر آمادہ ہیں۔ان کی تیاری پر قوم کا قیمتی سرمایہ اربوں کھربوں کی تعداد میں صرف کیا گیا ہے اور تاحال کیا جارہا ہے۔ نتیجہ سامنے ہے، اسلام سے لاتعلق بن جانے اور اغراض و مفادات کا پابند ہو جانے کا ثمرہ ہے کہ ایک بازو کٹ گیا اور پاکستان ٹوٹ کر آدھارہ گیا اور جو آدھارہ گیا ہے وہ انتشار و خلفشار کا شکار ہے۔اندرونی حالت کس قدر سقیم اور اندوہناک ہے، بیان کی حاجت نہیں۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہے اغوا کی وارداتیں معمولات میں شامل ہیں۔ رشوت و سفارش پر سارے کام موقوف ہیں۔ عدلیہ و انتظامیہ سے انصاف یا انتظام کی امید عبث اور فضول ہو گئی ہے۔ ازلی دشمن ہندو کو ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا پہلے بھی ہم نے موقع فراہم کیا اور آج بھی وہ ہماری سرحدوں ہی پر نہیں بلکہ اندر آکر ہمیں شکست و ریخت کے ایسے سے گزارنے کے لیے بے محابا کارروائیاں کر رہا ہے اور ہمارے اپنے جن کی تربیت اسلامی نہیں اس کے اشاروں پر وہ سب کچھ کر رہے ہیں جس کا ایک مسلمان سے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرے دشمن بھی اپنی کارروائیاں کرنے کے لیے ہم ہی کو استعمال کر رہے ہیں اور ہم انتہائی چابک دستی کے ساتھ ان کے مقصد کو پورا کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ ہمارے تمام دشمنوں نے ہمارے گھر کو ملیامیٹ کرنے کے لیے ہماری ہی قوم کو آلہ کار بنایا ہے۔ ہم نے نسلوں کی نسلیں ایسی تیار کی ہیں کہ وہ نظم مملکت میں شامل ہوں تو تباہی مچاتی ہیں اور باہر رہیں تب آمادۂ بغاوت رہتی ہیں، کسی صورت ان کو ملک کی سلامتی عزیز نہیں۔

مثال کے طور پر تعلیمی شعبے کو لے لیجیے۔ جن اداروں کی باگ ڈور حکومت کے ہاتھوں میں رہی ہے اور اب بھی ہے وہاں بالعموم نہ اساتذہ میں اور نہ طلبا میں کبھی براہ راست ''تعلیم'' ہی کو مقصد بنایا گیا۔ اساتذہ کے پیش نظر مادی آسائشیں اور ترقیات کا حصول ہے اور یہی مادی آسائشیں طلباء کے پیش نظر ہیں۔ البتہ طلباء اس کے لیے ڈگری کو ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ لہٰذا ترقی اور ڈگری کی اس دوڑ میں علم کہیں بہت ہی پیچھے رہ گیا ہے۔ ممکن ہے اس بات سے کچھ لوگ اتفاق نہ کریں۔ ان کے لیے ہمارا مشورہ ہے کہ نمونے کے طور پر ملک کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے جامعہ کراچی کو لے لیجیے اور کبھی عام آدمی کی حیثیت سے کسی بھی شعبے کے طلباء سے گفتگو کر کے دیکھ لیجیے۔ اگر اسے رازداری کا یقین ہو گیا تو وہ اساتذہ کے درمیان ہونے والی ''کشمکش برائے ترقی'' کے ایسے واقعات سنائے گا کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ طلباء میں مادیت پرستی کا رجحان بھی، مثال کے طور پر عمرانیات (سوشیالوجی) اور نظمیات عامہ (پبلک ایڈمنسٹریشن) کے شعبوں میں داخلے کے لیے قابلیت کے معیار کے واضح فرق سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ شعبہ عمرانیات میں طلباء کی کمی کی بناء پر آخر وقت تک داخلے کھلے رہتے ہیں جبکہ نظمیات عامہ میں داخلے کے لیے جہاں بہت زیادہ نمبروں کا ہونا ضروری ہے داخلے فوراً ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ صرف یہ ہے کہ نظمیات عامہ میں ماسٹر ز ڈگری کے حاملین معاشی طور پر مستحکم نوکری حاصل کر لیتے ہیں جبکہ دوسرے شعبہ جات کا یہ حال نہیں ہے۔ حکومت جو دینی مدارس میں مداخلت کے لیے عصری علوم کو زبردستی مدارس میں داخل کرنا چاہتی ہے۔ کبھی پلٹ کر بھی عصری علوم کی درسگاہوں میں اسلامی علوم کے احوال کی خبر نہیں لیتی۔ اسلامیات کو صرف ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے باقی رکھنا محض دکھاوے کی ایک رسم ہے۔ جس کا ہونا نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔ طالب علم کے ذہن میں صرف چند امتحانی اہمیت کے سوال ہوتے ہیں اور بس۔ کیونکہ اسے معلوم ہے اگر ۳۳ فیصد نمبر بھی آگئے تو میں کامیاب ہو جاؤں گا اور قانون کے مطابق مجموعی نمبروں اور فیصد پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ اسی طرح اساتذہ اسلامیات کے تقرر میں کوئی اضافی صلاحیت شامل معیار نہیں ہے جس کی وجہ سے ہر ذہن اور مسلک کے لوگ پڑھانے والوں میں شامل ہیں۔ کسی بھی سطح پر تعلیمی حالات کا جائزہ لینے کے لیے بنیادی طور پر ۴ چیزوں کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے۔

ا۔ استاد: استادوں کے انتخاب میں، کالجوں اور اسکولوں میں جو عام قابلیتیں اور شرائط مقرر ہیں۔ وہی شرائط اور قابلیت اسلامیات کے لیے بھی مانگی جاتی ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے۔ ریاضی پڑھانے والا استاد دو جمع دو برابر چار کے کلیہ سے متفق نہ ہو تب بھی اسے دو جمع دو چار ہی پڑھانا پڑے گا۔ حیاتیات کا پروفیسر اگر انسان کے جسم میں دو دل ثابت کرنا چاہے تو یہ ممکن ہی نہیں۔ مگر اسلامیات کا پروفیسر وہ تو آزاد ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس آیت کی جیسے چاہے تفسیر کردے۔ جس حدیث کو جیسے چاہے بیان کردے اس لیے کہ قرآن اور حدیث کے معاملے میں یہاں کسی قسم کی پابندی نہیں، پھر پڑھانے والا دھریہ بھی ہوتا ہے اور ملحد بھی، مدارس اسلامیہ میں تعلیمی معیار کے ساتھ ساتھ اساتذہ کے عقائد و کردار کو بھی پوری طرح مدنظر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ طالب علم: طالب علم اسلامیات کے مضمون کو صرف پاس کرنے کی غرض سے پڑھتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ آئندہ زندگی میں معاشی، معاشرتی، سماجی کسی سطح پر بھی مجھے اسے استعمال نہیں کرنا۔ روحانیت اس کی نظروں میں بیکار محض ہے۔ (یہ عام حالات کا تذکرہ ہے ورنہ اکا دکا نظریاتی ذہن رکھنے والے طلبہ کے وجود کا انکار نہیں) برخلاف اس کے مدارس کے طلبہ روحانیت کے علمبردار ہیں۔ ایسی روحانیت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ کو سکھائی تھی، ایسی رہبانیت نہیں جو آج نصرانی پادری روحانیت کے نام پر اختیار کیے ہوئے ہیں۔

۳۔ نصاب: جس طریقے سے ایک ڈاکٹر یا انجینیئر کو پانچ سال اور چار سال کا ایسا کورس کرنا پڑتا ہے جو بنیادی طور پر اسی ایک مضمون کے گرد گھومتا رہتا ہے۔ اسلامیات کا مقصد اگر واقعی مسلمان بنانا ہے تو ہفتے میں صرف تین گھنٹے پڑھانے سے کچھ نہیں ہوگا۔ حد تو یہ ہے کہ اسلامیات کے نصاب میں شامل مضامین اور دوسرے عناصر بھی جاندار نہیں ہیں جو طلبا کی تعمیر نظریاتی مملکت کی ایک اکائی کے طور پر کرسکیں۔ اس کے برعکس درس نظامی کا نصاب قرآن حدیث اور فقہ کی بنیادوں پر کامیابی کے ساتھ قائم ہے۔

۴۔ درسگاہ کا ماحول: یہ بھی ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ مخلوط تعلیم، بے وضو قرآنی آیات کا لکھنا، آداب وسنن کی رعایت کے بغیر تدریس، یہ سب باتیں بظاہر معمولی ہیں لیکن اصل میں دینی سمجھ (قرآن وحدیث کے فہم) میں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ "یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا۔ وما یضل به الا الفسقین" "وہ (اللہ) اس (قرآن) کے ذریعے بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور نہیں گمراہ کرتے اس سے مگر ان کو جو فاسق (گناہ گار) ہیں" تو پھر اس گناہ آلود ماحول میں اپنے آپ کو جذب کیے ہوئے کون ہے جو قانون خداوندی کے خلاف ہدایت پاسکے۔ درسگاہ کے ماحول پر کچھ لکھنا ضیاع وقت ہے۔ انسانی جانوں کے بے دریغ قتل، وقت اور پیسے کی بربادی یہ سب موجودہ ماحول ہی کے اثرات ہیں۔

مدارس کے طلبہ ماحول کے اعتبار سے ایک آئیڈیل فضا میں ہوتے ہیں جہاں نیکی اور طاعات میں دل لگتا ہے اور برائی اور گناہ سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ جو کچھ دین وہ سیکھتے ہیں۔ اس دین پر عمل کرنے کے پورے پورے مواقع موجود ہوتے ہیں۔

اب ان تمام عناصر کو سامنے رکھتے ہوئے جب نتائج دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کالج اور یونی ورسٹیوں کے تعلیم یافتہ افراد نے جب بھی دینی معاملات پر طبع آزمائی کی کوئی نیا فتنہ کھڑا کرگئے۔ ایسے افراد کی ایک طویل فہرست ہے۔ الغرض تجربہ میں یہ آیا ہے کہ کالج اور یونی ورسٹیوں کے تعلیم یافتہ افراد نے دینی معاملات میں مداخلت بے جا کرکے دینی معاملات کا بوجھ تو اٹھایا نہیں البتہ ایسے مسائل ضرور پیدا کیے گئے کہ مدارس اسلامیہ کو اور تندہی سے ان کے پیدا کردہ فتنوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ معجزات اور احادیث سے انکار، انگریزی تہذیب ومعاشرت کی برتری اور اسلامی تہذیب وورثہ کے متعلق ان افراد میں پایا جانے والا کم تری کا احساس ہمارے اس تجزیے پر دال ہیں۔ اس لیے حکومت کو دینی مدارس کے بجائے عصری نظام تعلیم کی فکر کرنی چاہیے، عصری درسگاہوں سے بے روزگاروں کی فوج پیدا ہو رہی ہے۔ ان کے روزگار کے لیے سوچنا چاہیے۔ دینی مدارس سے فراغت حاصل کرنے والوں اور وہاں سے وابستہ ہونے والوں میں سے کسی نے بھوک، افلاس اور بے روزگاری کے احساس سے کبھی خودکشی نہیں کی، دینی مدارس کے علماء، طلبہ کو معاشرے میں عزت کا مقام دلانے کے بجائے حکومت کالج اور یونی ورسٹی سے نکلنے والے بے روزگار افراد کو خودکشی سے بچائے، انہیں باعزت روزگار مہیا کرے کہ وہ اس کے محتاج بھی ہیں اور طلب گار بھی!

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه وعلی آله وصحبه اجمعین۔

© rasailojaraid.com